قرآن کی خصوصیات

قسط (۱)

ھٰذا بَیانٌ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِلْمُتَّقِینَ (آل عمران، ۱۳۸)

"قرآن لوگوں کے لئے ایک وضاحت اور متقیوں کے لئے ھدایت اور نصحیت ہے"

سید محمد علی ایازی

قرآن حکیم کی خصوصیات کو جاننے سے اسکے مختلف پہلوؤں سے گہری آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں پر چند خصوصیات کاذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن کا اٹل ہونا

خدا کی آخری کتاب ہونے کے حوالے سے یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات اٹل اور ہمیشگی ہیں۔ انسانی معاشرہ اور اس کی سوچ ہر دم تکامل اور تبدیلی کا شکار رہتی ہے۔ معاشرہ ہر روز نئے مسائل اور نئی ضروریات سے دوچار ہوتا ہے لوگوں کو ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن کے بارے میں وہ سوال کرتے ہیں کہ آیا دین یا آسمانی کتاب کے پاس ان مسائل کا حل ہے یا نہیں ؟ اور کیا یہ کتاب ہر زمانے میں ہر انسان کے لیے ہدایت اور سعادت کی کتاب بن سکتی ہے ؟ اس لیے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعاً قرآن تمام زمانوں کے لئے کافی وشافی ہے ؟ کیا یہ آج کے انسان کی معنوی ضروریات کی تکمیل کر سکتا ہے ؟

اگر قرآن کے مشمولات پر تھوڑی دیر توجہ سے غور وفکر کیا جائے توان سوالوں کا جواب واضح ہو جاتا ہے اس لئے قرآن نے ایسی باتیں کی ہیں اور ایسے نکات کی جانب توجہ دلائی ہے جو طول تاریخ میں انسان کی فطری ضرورت رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ دوسری جانب قرآن کے بیان اور دعوت کا طریقہ کار بھی قابل توجہ ہے۔ قرآن نے اعتقادی اور اخلاقی مسائل کے ساتھ ساتھ ایسے اصول بیان کر دیئے ہیں جو ہر عصر کے لیے مفید اور مشکل کشا ہیں اس لئے کہ یہ باتیں خالق ہستی کی بیان کردہ ہیں جو انسان کی فطری، ضروریات سے آگاہ ہے یہ کتاب ہر زمانے میں اور ہر حوالے سے انسانی ضروریات کو پورا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے 'یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات اٹل اور ہمیشہ کے لئے ثابت ہیں۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ :"امرھم شوریٰ بینھم"(شوریٰ / ۳۸)، تمام کاموں میں مشورے کا حکم دیتی ہے' مختلف مسائل میں خصوصاً معاشرے کی تدبیر میں دوسروں کی آراء پر توجہ کو لازمی قرار دیتی ہے۔ یہ دستور ہر زمانے میں اس دور کے حالات وواقعات کے منظر میں اپنی خاص شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ نزول وحی کے زمانے میں جب کہ معاشرہ قبیلوں کی

صورت میں تھا تو مشورت کا مسئلہ "دارالندوۃ" کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا اور آج کے دور میں جبکہ تمام معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی مسائل لوگوں کی آراء کی بنیاد پر حل ہوتے ہیں پارلیمانی نظام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن کا جامع ہونا :

قرآن کے جامع ہونے اور اس کے اٹل ہونے کا بہت قریبی واسطہ ہے۔ یعنی جامع ہونا ہی اٹل ہونے کی ایک صورت ہے۔ قرآن کے جامع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دستورات اور اس کی ہدایات تمام ایسے میدانوں میں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں جو انسان کی ابدی فلاح اور سعادت سے مرتبط ہیں اس طرح کہ اگر قرآن کے یہ دستورات نہ ہوتے تو انسان اپنے اس مقصد تک پہنچنے میں ناکام رہتا جس کی خاطر وہ اس جہان میں لایا گیا ہے اور ان دستورات کا نہ ہونا دین میں نقص کا باعث تھا۔

خود قرآن میں بعثت انبیاء، لوگوں کی ہدایت اور کتابیں نازل کرنے کے کئی اہداف کا بیان کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر :

عدالت کی حکمرانی "فاحکم بین الناس بالقسط" (ص / ۵۲)

معاشرے کی اصلاح "وان ارید الا الاصلاح" (ہود / ۸۸)

خدا کی عبادت (نحل / ۳۶) صلح و برادری (حدید / ۲۵)

حکومت حق کی برپائی (نساء / ۱۰۶)

ظلم و جور کی حکومت سے مزاحمت اور عدل و انصاف کی حکومت کا قیام (نساء / ۸۵)

اور دوسرے کئی مسائل انبیاء الٰہی کی دعوت کا حصہ اور دین کے دستورات میں گنے جاتے ہیں قرآن ان کو انسان کی فلاح و سعادت میں مؤثر سمجھتا ہے، اور ہم ان چیزوں کو قرآن کی جامعیت کا نمونہ قرار دیتے ہیں لیکن یہ سب مسائل مطلق صورت میں بیان ہوتے ہیں جو انبیاء کی معنوی دعوت سے متناسب تھی۔ ان تمام مسائل کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے انسان کا فلاح پانا اور ابدی سعادت حاصل کرنا۔ اس حوالے سے قرآن جامع اور کامل ہے۔ قرآن اپنی جامعیت کے بارے میں اپنی آیات میں یوں فرماتا ہے :

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (نحل / ۸۹)

ہم نے اس کتاب کو ہر شئے کی وضاحت کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت اور خوش خبری کے طور تم پر نازل کیا ہے۔

اس آیت میں قرآن کی جامعیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ یعنی تمام ان مسائل کو بیان کرتا ہے جو دین کی تعلیمات ہوتی ہیں اور لوگوں کو دین سے ان کی توقع ہوتی ہے۔ قرآن میں اس لحاظ سے کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔ اور جن چیزوں کے بارے میں قرآن میں بات نہیں ہوئی ایسی باتیں ہیں جن کو عقل سمجھ

سکتی ہے اور ان کو درک کرتی ہے اور لوگ ان باتوں کو ایسے افراد سے پوچھ سکتے ہیں جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں.

مافرّطنا فی الکتاب من شیءٍ

ہم نے قرآن میں کوئی کمی نہیں چھوڑی.

یعنی، چونکہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے. یہ ایسی تعلیمات اور حقائق بیان کرتا ہے جو معاشرے کی ضرورت ہوں اور جن کو بیان کرنا دین کی ذمہ داری ہو، اس سلسلے میں قرآن میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی گئی. اور تمام ایسی باتیں جو لوگوں کی دنیاوی اور اخروی سعادت کا باعث بن سکتی ہیں، بیان کردی ہیں.

ہم مجمل بیان پر اکتفا سے بچنے کی خاطر جامعیت کے کچھ معیاروں کی طرف بھی اشارہ کرتے چلتے ہیں.

۱. قرآن کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں. ان کے انجام دینے میں آسانی اور سہولت کو مد نظر رکھا گیا ہے. یہ احکام انسانی زندگی کے مختلف حالات میں نرمی کی قابلیت رکھتے ہیں انسان کی مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرتے ہیں، یعنی یہ کہ یہ صرف انسان کی اخروی اور معنوی زندگی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر وہ شے جو انسان کی سعادت میں مؤثر ہو بیان کردی ہے.

اسی لیے قرآن نے انفرادی مسائل سے لے کر تمام معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کو بیان کردیا ہے اور یہ مسائل انسان کی ضروریات اور خصوصیات کو مد نظر رکھ کر بیان کئے ہیں. قرآن نے آنے والی تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اجتہاد اور فقاہت کو ہر عصر اور زمانے میں ضروری قرار دیا ہے (توبہ / ۱۲۲) تاکہ ہر دور کے مطابق دین کی تفسیر کی جاسکے. قرآن عقل، عقلی استدلالات عقلی حسن و قبح کے لیے خاص اہمیت کا قائل ہے تاکہ عام زندگی میں لوگوں کی معاشی حالت کے استحکام میں اور مسائل کے سمجھنے سمجھانے میں اس سے مدد لی جاسکے۔ اور دین کا چراغ عقل کے ساتھ انسانی معاشرے میں روشنی کا باعث بنے۔

قرآن نے انسانوں کے لیے ایک مکمل اور جامع نقشہ دے دیا ہے تاکہ وہ اس کو اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں استعمال میں لائیں۔ اسی لیے ہر چند قرآن نے ہر مسئلہ کی تفصیل بیان نہیں کی، لیکن قرآن کے لیے راہنما معین کر کے اور یہ حکم دے کر کہ ان کی اطاعت اور پیروی کی جائے، انسانوں کو ایک واضح سمت کی جانب ہدایت کردی ہے اور ساتھ ہی انسان کو تلاش و کوشش کی تلقین کردی ہے۔

یہی وجہ قرآن کو جامع قرار دیتی ہے کہ قرآن انسانی معاشرے کی ضرورت کے تمام مسائل کو بیان کرتا ہے۔

قرآن کا سب کے لیے ہونا

قرآن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب انسانوں کے لیے ہے چاہے عام لوگ ہوں یا دانشور اس کتاب میں بات کرنے کا انداز کچھ اس طرح اور اس سطح کا ہے کہ نہ عام لوگوں کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے نہ دانشور اس سے بے نیاز

ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنی عقل و فہم اور علم اور توجہ کے حساب سے اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جبکہ عام انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں یا تو عام لوگوں کے لیے لکھی جاتی ہیں جو دانشوروں کے لیے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی یا اتنے بھاری اور پیچیدہ طریقے سے لکھی جاتی ہیں کہ عام لوگ کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں، ان سے عام لوگ کچھ سمجھ نہیں پاتے لیکن قرآن اس طرح نہیں۔ عام لوگ اسے پڑھتے ہیں تو اس کی مٹھاس اور اس کی خوبصورتی کا احساس کرتے ہیں اور اس سے سرمست ہو کر اس کے دستورات کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں، دوسری جانب دانشور اور اہل فن حضرات قرآن کی اعلاء فصاحت وبلاغت کو درک کرتے ہیں، اس کے گہرے اور جمال بھرے مفاہیم کو پالیتے ہیں اس طرح کہ قرآن کی تعلیمات ان کے روح اور عقل کو روشن کر دیتی ہیں، قرآن کی پیشگوئیاں، نزاکت سے بھرپور اس کے دقیق نکات ان کی فکر کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اور ان کو ورطہ حیرت میں ڈال کر یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں

"رب زدنی علماً" (طہ ر ۱۱۴)

اے خدا میرے علم میں اضافہ فرما۔

دوسری جانب قرآن نے اس طرح لوگوں سے گفتگو کی ہے کہ جو کسی خاص دور یا خاص لوگوں کے لیے نہیں بلکہ جس طرح ظہور اسلام کے دور کے جاہل بدوی اس کے مخاطب ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں اسی طرح آج کی علمی و سائنسی دور کے لوگ بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں اور اس کی ہدایت اور پیغام سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے اپنی جاذبیت اور شیرینی کو آج تک محفوظ رکھا ہے۔

امام صادق علیہ السلام قرآن کی اس خاصیت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: قرآن چار بنیادوں پر استوار ہے: متن، اشارے، ظریف نکات اور حقائق۔

قرآن کا متن عام لوگوں کے لیے ہے، قرآن کے اشارے خاص لوگوں اور دانشوروں کے لیے، اس کے ظریف نکات مخلص، تدبر کرنے والوں اور اولیاء اللہ کے لیے اور اس کے حقائق انبیاء اور معصومین کے لیے ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن میں ایک بدو عرب سے جو اپنے خلق ہونے کو قبول کرتا ہے لیکن قیامت اور عالم آخرت اور دوبارہ جینے کے بارے میں تردید رکھتا ہے اس طرح نقل کرتا ہے:

"مَن يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ" (یٰسین ر ۷۸)

ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟

قرآن ایک عام فہم اور سادہ جواب میں اس طرح کہتا ہے:

"قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ" (یٰسین ر ۷۹)

اس سے کہہ دو کہ جس نے اسے پہلی بار خلق کیا وہ اسے دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے

قرآن کا یہ طریقہ ہے جس کے ذریعے وہ انسان اور جہان کی خلقت کی ابتداء کے بارے میں ایک تصویر کھینچ کر حقیقت کو واضح کر دیتا ہے اور آج کے جدل کرنے والے بھی اسی سادہ اور منطقی جواب سے اگلے جہان اور انسان کی اس طرف پلٹنے کے بارے میں جواب پاتے ہیں کیونکہ یہ جدال قرآن کے استدلال میں ذرا بھر اثر نہیں کرتا کیونکہ اس کی بات پرانی نہیں ہوتی اور آج بھی انسان کو مطمئن کر دیتی ہے اور یہ جملے ایسے ہیں جن میں مزید غور و فکر کرنا چاہیئے اس لئے مزید کہتا ہے: وہی خدا جس نے سرسبز درخت سے آپ کے لیے آگ مہیا کی جب بھی آپ چاہیں، آیا وہی خدا جس نے آسمان و زمین کو خلق کیا قادر نہیں کہ آپ کو خلق کرے؟

قرآن کا تدریجاً نازل ہونا

قرآن کریم ۲۳ سال کی مدت میں پیامبر اکرمؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا اور اس مدت میں احکام کو آہستہ آہستہ اور تدریجی طریقے سے بیان کیا۔ قرآن کی یہ تدریجی روش تورات اور دیگر آسمانی کتابوں سے مختلف ہے جو ایک دم نازل ہوتی تھیں۔ اس طرح کہ تمام احکام اور دستورات لوح کی صورت میں نبی کے حوالے کر دیے جاتے تھے جو وہ اپنے پیرکاروں کو دے دیتے تھے۔ قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے:

"وقُرآناً فرقناه علی النّاسِ علی مکثٍ ونزّلناه تنزیلاً" (اسراء/۱۰۶)

قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا تاکہ تو اُسے لوگوں کے سامنے

آہستہ آہستہ پڑھے اور اس کو ہم نے رفتہ رفتہ نازل کیا۔

اس مسئلے کو ایک مثال کے ذریعے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

ایک شخص بیمار ہو کر ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور اپنا حال بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر اس کی بیماری کا پتہ لگاتا ہے اور اس کے لیے دوا تجویز کرتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ یہ دوا استعمال کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر رجوع کرنا۔ دوسری بار رجوع کرنے پر ڈاکٹر مریض کا معاینہ کرتا ہے اور بہتری کی صورتحال کا اندازہ لگا کر اب موجودہ حالت کے مطابق اس کو دوائی دے دیتا ہے اور اسی طریقے سے کئی بار رجوع کرنے کا کہتا ہے یہاں تک کہ بیمار بالکل ٹھیک ہو جائے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر نے پہلے ہی دن کیوں نہ ساری دوائی تجویز کر دی؟ اس کا جواب واضح ہے۔ اس لیے کہ پہلے دن بیمار میں تمام دوائیں استعمال کرنے کی قوت نہ تھی بلکہ رفتہ رفتہ بہتری کے ساتھ وہ ٹھیک ہو سکتا تھا۔ یہی طریقہ افراد کی تربیت، سیر و سلوک اور تربیت نفس میں بھی جاری ہے ہمیشہ مرشد اپنے مرید کو تدریجی طریقے سے تربیت دیتا ہے اور یکبارگی تمام مسائل کو بیان نہیں کر دیتا کیونکہ جانتا ہے کہ مریدوں میں تمام مسائل کو ایک دم لے لینے کی صلاحیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس کو رفتہ رفتہ حقائق اور اس کی ضرورتوں سے آگاہ کرتا ہے تاکہ اس کو اگلے مرحلوں کے لیے تیار کر سکے۔

اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا نزول بھی تدریجی ہوا اور یہ لوگوں کے سامنے بھی تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھا گیا تا کہ آسانی سے اس کو سیکھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ خداوند تعالیٰ نے کافروں کے اس سوال پر کہ قرآن کو یکمشت نازل کیوں نہیں کیا یعنی دوسری کتابوں کی طرح نازل کیوں نہیں کیا اس طرح جواب دیتا ہے :

"كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا" (فرقان / ۲۳)

اور اس طرح ہم نے تیرے دل میں استحکام پیدا کیا اور ہم نے اسے

آہستہ آہستہ تیرے لئے پڑھا۔

قرآن کی یہ روش اس کی ایک خاصیت ہے جو مؤمنوں میں ثابت قدمی اور کافروں کو مزید فرصت دینے کے لیے ہے تا کہ وہ اپنے باطل عقائد کو چھوڑ سکیں اور حق اور سچ کو اپنا سکیں۔

اگرچہ کئی جگہوں پر قرآن مسلمانوں کے مسائل کے حل اور ان کے سوالوں کے جواب میں نازل ہوا۔ ان موقعوں پر قرآن نے اپنے عمومی اور کلی احکام سے چشم پوشی کر کے ان خاص مسائل کے بارے میں اظہار نظر کیا۔ اس کے باوجود اسلامی شریعت کے احکام اپنے مناسب وقت پر نازل ہوئے اور یوں ہی سب احکام یکدم بیان نہیں کر دیئے بلکہ یہ کام مسلمانوں میں آمادگی اور تیاری کے وقت انجام دیا۔ تاریخ میں یوں آیا ہے کہ قرآن کبھی پانچ کبھی دس یا اس سے کم یا زیادہ آیات کی صورت میں نازل ہوا، یہاں تک کہ پوری پوری سورت نازل ہونے لگی۔ اس طرح مسلمانوں میں فضا کو ہموار کرتا گیا یہاں تک کہ آخر میں مسلمان احکام الٰہی کے منتظر رہتے تھے کہ خدا کا دستور آئے تا کہ وہ اپنی گندی عادتوں کو ترک کر سکیں اور یہ باران رحمت ان پر جاری رہے۔

قرآن کا لے دار ہونا

قرآن کی ایک خصوصیت اس کے جملوں میں لے کا پایا جانا ہے، اور یہ تناسب حروف میں، الفاظ میں، مطالب کی ترتیب میں، موضوعات کے جوڑ میں اور آیات اور سورتوں میں منطقی ترتیب میں پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کی بعض سورتیں کسی ایک حرف یا آواز پر جا کر رکتی ہیں، جیسے "الف 'ی' ھ 'ر' د 'س'" جس طرح سورہ مریم کی آیات میں کہ جن کے آخر میں الف آتا ہے "ذکریا؟ خفیا، شقیا، ولیا، رضیا، سویا" اور بعض دو یا تین حروف پر جا کر ختم ہوتی ہیں جیسے "ون 'ین" جیسے سورہ انبیاء کی بعض آیات " حافظین، عابدین، صابرین، صالحین، ظالمین، مؤمنین، وارثین ..." اور بعض آیات میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ آیات کا آخری حصہ بیان کیا جاتا ہے۔ البتہ ان میں حرف "ن" کو بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح ان آیات میں ایک خاص شیرینی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے۔

الفاظ کی ترتیب میں بھی اسی قسم کا تناسب واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، جن سے نکتہ دان دانشور بیسیوں مطالب اور اسرار کا پتہ چلا لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر قرآن چوری کی سزا بیان کرتے وقت یوں کہتا ہے

"السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" (مائدہ/ ۳۸)

چور اور چورنی دونوں کے ہاتھ کاٹ دو

اور زنا کی سزا بیان کرتے وقت کہتا ہے

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" (نور/ ۲)

زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔

یعنی پہلی آیت میں مرد کو پہلے ذکر کیا اور عورت کو بعد میں اور دوسری میں عورت کو پہلے ذکر کیا اور مرد کو بعد میں اس طرح کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے اور وہ یہ کہ چوری میں اکثر مرد ملوث ہوتے ہیں یعنی مردوں میں یہ کام زیادہ پایا جاتا ہے اس لیے مرد کو پہلے ذکر کیا اور زنا کے بارے میں چونکہ عورت کا کردار زیادہ ہوتا ہے اس لیے وہاں اس کو پہلے ذکر کیا۔ بلاغت کے علماء نے قرآن کے الفاظ کے بارے میں کافی تحقیق کی اور ایسی مثالوں کی طرف توجہ دلائی جہاں الفاظ کی ترتیب میں کمال کا تناسب پایا جاتا ہے، اس طرح ایک ایسی بے مثال اور قابل توجہ ترتیب نکلی جس میں کسی لفظ کو اس کے مترادف سے بدلا تک نہیں جا سکتا۔

الفاظ میں ترتیب

دوسری جانب قرآن کے الفاظ کا انتخاب بھی خوبصورتی، آواز، عام فہم ہوتے مخاطب کے ذہن اور دوسرے الفاظ کے ساتھ تناسب کے لحاظ سے اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا اور یہ ترتیب اور تناسب ہمیں الفاظ کی ظاہری خوبصورتی اور بدصورتی، اس کی لے، ایسے الفاظ کا انتخاب جس کے متضاد الفاظ کا معنی کوئی اور بنتا ہو یا اس کے سمجھنے کی استعداد میں فرق ہو، نظر آتا ہے، مثال کے طور پر "حفظ" اور "رعایت" کے الفاظ مترادف ہیں لیکن حفظ کا متضاد، ضایع کرنا اور رعایت کا متضاد غفلت برتنا ہے۔

اسی لیے قرآن نے کئی موارد میں حافظ کو جیسے (یوسف/ ۶۴) "وَإِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" (طارق/ ۴) ایسی جگہ استعمال کیا ہے جہاں حفاظت، شی کی بربادی کے متضاد بنتی ہے۔ لیکن "رعایت" "وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ" (معارج/ ۳۲) "كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ" (طہ/ ۵۴) میں ایسی جگہ استعمال کیا ہے جہاں "رعایت" کے مقابل میں غفلت اور اہمال واقع ہوتی ہے۔ اور یہ تمام ظریف نکات اس موضوع کو صحیح طریقے سے بیان کرنے کے لیے ہیں جو کہ خداوند بیان کرنا چاہتا ہے۔ قرآن میں نظم کے حوالے سے دوسرے کئی زوایے بھی پائے جاتے ہیں جن کو ذکر کرنے کی فرصت نہیں۔ اس سلسلے میں نظم اور اعجاز قرآن پر لکھی جانے کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

الفاظ کی ترتیب اور جوڑ اور معانی کے تناسب کے بارے میں مفصل بحث "علم مناسبت" کی بحث میں آئے گی۔ (جاری ہے)